

# مسئلہ توسل

افادات

مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ  
متکلم اسلام

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا پاکستان

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### مسئلہ توسل

افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تمہید:

مسئلہ کی تفصیل سے قبل چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

توسل کا لغوی و شرعی معنی:

لغوی معنی:

1: الْوَسِيلَةُ هِيَ فِي الْأَصْلِ مَا يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى الشَّيْءِ وَيُنْقَرَّبُ بِهِ.

(النهاية في غريب الاثر لابن الاثير الجزري: ج 5 ص 402)

ترجمہ: ”وسیلہ“ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی (مطلوبہ) چیز تک پہنچا جائے اور کسی چیز کا قرب حاصل کیا جائے۔

2: مصباح اللغات میں ہے:

الوسيلة: تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ

(مصباح اللغات: ص 946)

3: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”توسل“ لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں قرآن شریف میں ہے: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ یعنی اللہ کا قرب حاصل کرو۔

(ملفوظات حکیم الامت ج 25 ص 123)

شرعی معنی:

شرعاً توسل کا اطلاق ان اقسام پر ہوتا ہے:

توسل بالدعاء:

التوسل .... بدعاء الرجل الصالح الحي الموجود فنقول يا شيخ ادع الله لي ونحو ذلك، كما استسقى الصحابة برسول الله صلى الله عليه وسلم.

(التوسل المشروع والمنوع: ص 17)

ترجمہ: توسل بالدعاء سے مراد یہ ہے کہ زندہ نیک آدمی کو دعا کی درخواست کرنا کہ حضرت! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔

توسل بالاعمال:

هو التقرب إلى الله تعالى بطاعته وعبادته واتباع أنبيائه ورسوله وبكل عمل يحبه الله ويرضاه

(التوصل الى حقيقة التوسل: ص 13)

ترجمہ: وسیلہ بالاعمال سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت، اس کے انبیاء و رسل کی اتباع اور ہر اس عمل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل

کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اللہ اس سے راضی ہو۔

### توسل بالذات:

و ان يتوسل بالنبي صلى الله عليه و سلم و باحد من الاولياء العظام جائز بان يكون السؤال من الله تعالى و يتوسل بوليہ و نبیہ صلى الله عليه و سلم۔

(امداد الفتاویٰ: ج 6 ص 327)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ولی کی ذات سے وسیلہ کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جائے لیکن واسطہ ولی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

مندرجہ بالا تین اقسام کے پیش نظر توسل کی شرعی تعریف کچھ یوں ہے:

و التوسل شرعاً هو التقرب إلى الله تعالى بدعاء النبيين و الصالحين و الاولياء و شفاعتهم او بكل عمل يحبه الله ويرضاه من عبادته كالصلاة و الزكوة و الصيام و غير ذلك و اتباع أنبيائه و رسله او بجاه النبيين و الصالحين و بحرمتهم و ببركتهم و بحقهم على الله سبحانه و تعالى سواء كان في حياتهم او بعد وفاتهم.

ترجمہ: شریعت میں توسل سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے چاہے وہ انبیاء، صالحین اور اولیاء سے دعا کروا کر اور ان کی شفاعت سے حاصل کیا جائے یا ہر اس عمل سے کیا جائے جسے اللہ پسند فرماتا ہے جیسے اس کی عبادت کرنا مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا وغیرہ اور انبیاء، رسل کی اطاعت کرنا یا انبیاء و صالحین کی جاہ، حرمت، برکت اور ان کے (اللہ پر ہونے والے) حق (یا اس قسم کے دیگر الفاظ مثلاً بطفیل فلاں، بوسیلہ فلاں وغیرہ) سے حاصل کیا جائے چاہے اس دنیوی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد والی زندگی میں۔

### فائدہ:

توسل کی ان تین اقسام میں سے توسل بالدعاء اور توسل بالاعمال اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف [مماتی اور غیر مقلدین] کے ہاں متفق علیہ ہے لیکن توسل بالذات کے اہل السنۃ والجماعۃ تو قائل ہیں البتہ فریق مخالف اس کا منکر ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف کا موقف پیش خدمت ہے:

### مذہب اہل السنۃ والجماعۃ:

1: علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی ابن علی السبکی الشافعی (ت 756ھ) لکھتے ہیں:

ان التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم جائز في كل حال قبل خلقه وبعده خلقه في مدة حياته في الدنيا وبعده موته في مدة البرزخ

(شفاء السقام للسبکی: ص 358)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا ہر حال میں جائز ہے چاہے آپ کی تخلیق سے پہلے ہو، آپ کی پیدائش کے بعد آپ کی دنیوی زندگی میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی برزخی زندگی میں ہو۔

2: علامہ احمد بن محمد القطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 923ھ) لکھتے ہیں:

و ينبغي للزائر ان يُكثِرَ من الدعاء و التضرع و الاشتغاث و التشفع و التوسل به صلى الله عليه و سلم

(المواهب اللدنیة: ج 3 ص 417 الفصل الثانی فی زیارة قبره الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑ گڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

3: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (ت 1176ھ) فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقديم الثناء على الله و التوسل بنبي الله ليستجاب. (حجة الله البالغة ج 2 ص 6)

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدم کیا جائے تاکہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

4: علماء دیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز ”المہند علی المفند“ میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السؤال الثالث والرابع: هل للرجل ان يتوسل في دعواته بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد الوفاة ام لا؟  
ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصدّيقين والشهداء واولياء رب العالمين ام لا؟  
الجواب: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالانبياء والصالحين من الاولياء والشهداء والصدّيقين في حياتهم وبعدهم بان يقول في دعائه اللهم انى اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتى وتقضى حاجتى الى غير ذلك

(المہند علی المفند: ص 36، 37)

ترجمہ: تیسرا اور چوتھا سوال: کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک گزشتہ نیک صالح ہستیوں یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعا کرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اور میری اس ضرورت کو پورا فرما۔

5: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1362ھ) لکھتے ہیں:

و الثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول و هذا قد جوزه الجمهور الخ

(بوادر النوادر: ص 708)

ترجمہ: اور توسل کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی مقبول مخلوق کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسے جمہور نے جائز قرار دیا ہے۔ لہذا اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک دعا میں کسی نبی یا ولی کا وسیلہ دینا مستحب، اقرب الی الاجابت اور آداب میں سے ہے۔

مذہب اہل بدعت:

موجودہ دور کے غیر مقلدین اور مہماتی حضرات توسل کے منکر ہیں اور اسے ہنود و نصاریٰ کا طریقہ کہا، شرک کے اسباب قرار دیا اور مشرکین کا عقیدہ بتلایا۔ اس کا موقف ان کی چند عبارات میں ملاحظہ ہو:

غیر مقلدین حضرات کی عبارات:

1: سید طالب الرحمن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

کسی فوت شدہ نبی یا ولی کا وسیلہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ عمل صالح نہیں۔

(آئیے عقیدہ سیکھیے: ص 159)

2: محمود احمد میرپوری صاحب غیر مقلد و سیلہ بالذات کو غیر مشروع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:  
وسیلے کا یہی وہ غیر مشروع طریقہ ہے جو انسان کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(فتاویٰ صراط مستقیم: ص 70)

3: محمد رئیس ندوی صاحب نے توسل بالذات کے بارے میں جس قسم کی زبان استعمال کی اور قائلین توسل پر جو گالیوں کی بوچھاڑ کی وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ گالیاں دیتے دیتے موصوف نے توسل کی اس قسم کو مشرکانہ توسل، دعویٰ مکذوبہ و قبیحہ، حرام و غیرہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

(مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ از رئیس ندوی: ص 856 تا 872)

### مماتی حضرات کی عبارات:

1: محمد حسین نیلوی صاحب اپنی کتاب ”ندائے حق“ میں لکھتے ہیں:  
در اصل یہ مسئلہ (توسل) ہنود و نصاریٰ سے چلا آ رہا ہے۔

(ج 2 ص 349 عنوان: مسئلہ وسیلہ بالذات والاموات کا اصل ماخذ)

2: محمد طاہر صاحب پنجپیری کی کتاب ”البصائر مصنفہ مولوی حمد اللہ الداجوی“ کے حاشیہ میں ہے:  
قائلین توسل اور پہلے دور کے مشرکین کا عقیدہ ایک جیسا ہے۔

(حاشیہ البصائر: ص 237)

3: عطاء اللہ بندیا لوی صاحب لکھتے ہیں:

اسلام میں وسیلہ کا کوئی ثبوت نہیں، جو از وسیلہ پر کوئی ایک آیت، حدیث یا صحابی کا عمل موجود نہیں۔ لہذا وسیلہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

(وسیلہ کیا ہے؟: 41، 42، 46، 64)

ایک مقام پر متوسل کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور وہ پاگل اپنے درخواست پیش کرنے کے لیے مخلوق میں سے وسیلوں اور واسطوں کو ڈھونڈتا پھرے۔

(شرک کیا ہے: ص 19)

4: میاں محمد الیاس صاحب محمد طاہر پنجپیری صاحب کی ایک تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ مولانا کی پہلی مطبوعہ تصنیف ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع ”توسل و وسیلہ“ ہے جو کہ پورے ہندوستان میں عام ہے اور شرک کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔

(مولانا طاہر کی خدمات: ص 194)

توسل بالذات کا ثبوت:

حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی ذاتوں سے توسل کرنے کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہے۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے کا جواز عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔

عقلاً ثبوت:

1: اعمال کا وسیلہ تو مسلم ہے حتیٰ کہ فریق مخالف بھی اس کا قائل ہے۔ اعمال فرع ہیں اور ذات اصل ہے۔ بالفاظ دیگر نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ اعمال فرع ہیں اور ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلنے والے اعمال کا نام ”دین“ ہے۔ جب اعمال اور فرع کا وسیلہ جائز ہے تو ذات پیغمبر اور اصل کا وسیلہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ نیز اعمال خود نہیں آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اعمال ہمیں نہ ملتے۔ تو وہ اعمال جن کے وسیلے کے تم قائل ہو ان کا وسیلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

2: اعمال صالحہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے نعمت ہیں، ان کا وسیلہ جائز ہے۔ حضرت انبیاء علیہم السلام و صالحین حضرات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام نعمتوں کا سرچشمہ بلکہ نعمت کبریٰ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمران: 64)

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔

تو جب چھوٹی نعمتوں (اعمال صالحہ وغیرہ) سے توسل کرنا جائز ہے تو بڑی نعمتوں (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم) سے توسل کرنا بدرجہ اولیٰ جائز اور درست ہوگا۔

3: اعمال صالحہ چونکہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں، اس لیے ان سے توسل جائز ہے تو انبیاء علیہم السلام ان سے بڑھ کر تقرب کا ذریعہ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایمان نہ ہو تو اعمال صالحہ سے قرب خداوندی نہیں ملتا اور اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ بھی ہوں تو اعمال صالحہ سے اتنا قرب خداوندی نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

اول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (سورۃ الزمر: 65)

ترجمہ: اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارے سارے اعمال غارت جائیں گے اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

ثانی کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسْبُوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي فَإِنْ أَحَدِكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أَحَدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مَا أَحَدُهُمْ وَلَا نَصِيفَهُ

(صحیح مسلم: ج 2 ص 310 باب تحریم سب الصحابۃ)

ترجمہ: میرے صحابہ کی شان میں نازیبا کلمہ نہ کہنا اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے اور یہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) ایک جو مٹھی بھر جو خرچ کریں تو تمہارا احد پہاڑ کے برابر سونا ان کی مٹھی بھر جو کے برابر نہیں۔

مٹھی بھر جو خرچ کرنا چھوٹا عمل ہے، احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا بڑا عمل ہے۔ اب یہاں احد پہاڑ کی مثل سونا مٹھی بھر جو کے برابر اس لیے نہیں کہ مٹھی بھر جو کو ذات پیغمبر کی صحبت ملی ہے اور ہمارے احد پہاڑ کی مثل سونے کو ذات پیغمبر کی صحبت نہیں ملی۔ ثابت ہوا کہ

اعمال صالحہ سے اتنا قرب خداوندی نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

کتاب اللہ سے توسل کا ثبوت:

پہلی آیت:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا:

﴿وَكَاثُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (سورة البقرة: 89)

ترجمہ: اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

ابو نعیم اور بیہقی اور حاکم نے ساتھ اسناد صحیحہ اور طرق متعددہ کے روایت کی ہے کہ یہودی مدینہ کے اور یہودی خیبر کے جس وقت ساتھ بت پرستوں عرب کے یعنی فرقہ بنی اسد اور بنی غطفان اور جہینہ اور غدرہ کے جنگ کرتے تھے، مغلوب ہو جاتے اور شکست کھاتے، لاچار ہو کر طرف دانشمندیوں اور کتاب اپنے کے رجوع کیا انہوں نے بعد تامل بسیار کے، یہ دعا اپنے سپاہیوں کو تعلیم کی کہ لڑائی کے وقت میں پڑھا کریں، پھر مغلوب نہ ہوئے اور فتح پاتے تھے، دعا یہ ہے:

اللهم ربنا انا نسالک بحق احمد النبى الامى الذى وعدتنا ان تخرجنا لنا فى آخر الزمان وبكتابك الذى تنزل عليه آخر ما ينزل ان تنصرنا على اعدائنا .

(تفسیر عزیزی: ج 2 ص 581)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلہ سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1270ھ) لکھتے ہیں:

وہ لوگ یہ دعا کرتے تھے:

اللهم انا نسالک بحق نبيك الذى وعدتنا ان تبعثه في آخر الزمان ان تنصرنا على عدونا

(روح المعاني: ج 1 ص 320)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے اس رسول کے حق اور وسیلے سے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

شیخ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1336ھ) لکھتے ہیں:

مدینہ کے یہود بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائل عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوئے تو اپنے علماء کی تعلیم سے دعا کیا کرتے تھے: اللهم ربنا انا نسالک بحق احمد النبى الامى الذى وعدتنا ان تخرجنا لنا فى آخر الزمان وبكتابك الذى تنزل عليه آخر ما ينزل ان تنصرنا على اعدائنا

(تفسیر حقانی: ج 1 ص 510)

ترجمہ: الہی ہم کو برکت نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور برکت قرآن مجید کے ہمارے دشمنوں پر فتح یاب کر۔

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

حالانکہ نزول قرآن اور آپ کی بعثت سے پہلے ہی لوگ کافر اور بت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام کی برکت سے فتح و نصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب عرب کے بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعائیں لگتے:

اللهم ربنا انا نسالك بحق احمد النبي الامي الذي وعدتنا ان تخرجه لنا في آخر الزمان وبكتابك الذي تنزل عليه آخر ما تنزل ان تنصرنا على اعدائنا۔

(تفسیر معارف القرآن کاندھلوی: ج 1 ص 233)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلے سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہود مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل آپ کے وسیلے سے دعائیں لگتے تھے۔

### اعترض:

اس آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ توسل بالذات یہود کا طریقہ تھا اور یہی کچھ ممانی حضرات کہتے ہیں۔

### جواب:

اولاً۔۔۔ اصول الفقہ کی مشہور کتاب ”نور الانوار“ میں شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف ”ملا جیون“ (ت 1130ھ) فرماتے ہیں:

شرائع من قبلنا شریعتنا ما لم تنسخ

(نور الانوار: ص 227 بحث الفرق بین الہام النبوی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ)

ترجمہ: ہم سے پہلی شریعتیں جب تک منسوخ نہ ہو جائیں تو انہیں بھی ہماری شریعت سمجھا جائے گا۔

علامہ سید ابوالثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1270ھ) فرماتے ہیں:

مذهبنا فی شرع من قبلنا وإن کان إنه یلزمنا علی أنه شریعتنا لکن لا مطلقاً بل إن قصہ اللہ تعالیٰ علینا بلا إنکار

(روح المعانی: ج 8 ص 239 تحت سورة الکہف آیت 21)

ترجمہ: پہلی شریعتوں کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بغیر انکار کے ہمیں بیان فرمادیں تو ہمارے لیے بھی ان کا حکم ثابت ہو گا۔

شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام میں توسل بالذات سے منع نہیں آیا بلکہ اس کا اثبات منقول ہے جیسا کہ آگے دلائل میں آرہا ہے۔ لہذا اس آیت سے توسل کا جواز ثابت ہوا۔

ثانیاً۔۔۔ اگر اسی شبہ پر توسل بالذات کا انکار کر دیا جائے کہ یہ پہلی شریعتوں کا مسئلہ ہے تو ہم ان منکرین سے پوچھتے ہیں کہ

توسل بالاعمال کے آپ بھی تو قائل ہیں اور اس پر جو اصحاب الغار والا واقعہ پیش کرتے ہیں تو وہ بھی اس امت کے اولیاء نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے اولیاء تھے، تو پھر اس کا انکار کر دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے توسل کا تذکرہ کیا اور تردید نہیں فرمائی تو وہ اب ہماری شریعت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب الغار والی حدیث بیان فرمائی اور تردید نہیں فرمائی تو وہ بھی

ہماری شریعت ہے۔

دوسری آیت:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا.

(سورۃ النساء: 64)

ترجمہ: اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

اس آیت میں دو چیزیں ہیں:

1: ان لوگوں کا اپنا استغفار 2: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار

اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے استغفار پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا بھی ذکر کیا۔ تو جس طرح ان کے اپنے استغفار کا ذکر کیا درمیان میں پیغمبر کی ذات کو بھی ذکر کیا۔ پیغمبر کو شامل کرنے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿جَاءُوكَ﴾ ہے کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ اگر صرف استغفار ہی کافی تھا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ عام استغفار کے قبول ہونے میں ان لوگوں کی ذات کو دخل ہے لیکن وہ استغفار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے قریب آکر کیا جائے اس کی قبولیت میں ذاتِ نبوت کو دخل ہے ورنہ ﴿جَاءُوكَ﴾ ذکر نہ فرماتے۔

امام مالک بن انس المدنی (ت 179ھ) اسی آیت سے جوازِ وسیلہ پر استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا:

استقبل القبلة و ادعوا ام استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال: و لم تصرف وجهك عنه و هو وسيلتك و وسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله يوم القيامة؟ بل استقبله و استشفع به فيشفعه الله. قال الله تعالى: و لو انهم اذ ظلموا انفسهم الاية.

(الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: ج 2 ص 26 الباب الثالث في تعظيم امره ووجوب توقيره)

ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روزِ قیامت وسیلہ ہیں، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

علامہ تقی الدین علی بن عبد الکاظمی ابن علی السبکی (ت 756ھ) اس آیت کو توسل بالذوات کی دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

والاحاديث و الآثار في ذلك اكثر من ان تحصر، و لو تتبعتها لوجدت منها الوفاء، و نص قوله تعالى: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ الآية صريح في ذلك. (شفاء السقام: ص 376 الباب الثامن في التوسل و الاستغاثة و التشفع بالنبي صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: توسل بالذوات کے بارے میں احادیث و آثار شمار سے باہر ہیں، اگر آپ ان کو جمع کریں تو ان کی تعداد ہزاروں میں پائیں گے۔ اللہ

تعالیٰ کا فرمان ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَسَّلْنَا لَهُمْ﴾ توسل بالذوات کے جواز میں نص صریح ہے۔

### تیسری آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ الْآيَةَ

(سورة المائدة: 35)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 405ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو) کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے:

لقد علم المحفوظون من أصحاب محمد صلى الله عليه و سلم أن ابن أم عبد الله من أقربهم إلى الله وسيلة

(المستدرک علی الصحیحین: ج 3 ص 37 کتاب التفسیر تحت سورة المائدة)

ترجمہ: بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے محفوظ حضرات نے جان لیا کہ ابن ام عبد اللہ (حضرت عبد اللہ بن مسعود) وسیلہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب ان حضرات میں سے اقرب اشخاص میں ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

والوسيلة بعمومها تشمل التوسل بالاشخاص، و التوسل بالاعمال... اما شمول الوسيلة في الآية المذكورة للتوسل بالاشخاص فليس برای مجرد و لا بو بماخوذ من العموم اللغوي فحسب بل هو الماثور عن عمر الفاروق رضی اللہ عنہ الخ

(مقالات الکوثری: ص 286)

ترجمہ: اس آیت میں لفظ ”الوسيلة“ عموم کے پیش نظر ذاتوں کے وسیلہ کو بھی شامل ہے اور اعمال کے وسیلہ کو بھی۔۔۔ آیت مذکورہ میں وسیلہ کا توسل بالاشخاص کو شامل ہونا محض رائے سے نہیں اور نہ ہی لفظ کے عموم لغوی کا نتیجہ ہے بلکہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے الخ۔

آگے علامہ کوثری رحمہ اللہ نے کئی ایک آثار ذکر فرمائے ہیں جن سے توسل بالاشخاص ثابت ہوتا ہے۔

وسیلہ ذوات و اعمال دونوں کو اس لئے شامل ہے کہ وسیلہ سے مراد ”قربت“ ہے، جیسا کہ عامہ مفسرین نے فرمایا ہے۔

(دیکھیے تفسیر الدر المنثور، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین وغیرہ)

### چوتھی آیت:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(سورة الانفال: 33)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ (ت 279ھ) نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لئے دو امانتیں نازل فرمائیں:

{وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ} {وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} إذا مضيت تركت فيهم الاستغفار إلى يوم القيامة.

(سنن الترمذی: ج 2 ص 139 ابواب التفسیر، تحت تفسیر سورۃ الانفال)

ترجمہ: ایک امانت یہ آیت: ”اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے“ اور دوسری یہ آیت: ”اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں“۔ پس جب میں (دنیا) سے چلا جاؤں گا تو ان میں استغفار کو قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔

عذاب سے بچنے کے دو سبب اس آیت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک سبب پہلے حصہ میں وارد الفاظ: ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما ہوں اس وقت تک عذاب نہ آئے گا اور دوسرا سبب ان الفاظ: ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو یہاں پہلا جملہ ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ ذوات کے بیان کے لئے ہے اور دوسرا جملہ ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ اعمال کے بیان کے لئے ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ذوات کا وسیلہ بھی جائز ہے اور اعمال کا بھی جائز ہے۔

احادیث مبارکہ سے توسل کا ثبوت:

حدیث نمبر 1:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا فَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِبَنِيْنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقُونَ (صحیح البخاری: ج 1 ص 137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا فحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیراب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے (یعنی بارش ہو جاتی)۔

اعتراض:

اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ بالا حیات تو جائز ہے، وسیلہ بالا موات جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ دیا ہے۔ اگر اموات کا وسیلہ جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ ذات کا وسیلہ نہ دیا جاتا۔

جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل کرنے کی یہ وجوہات ہیں:

1: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ سے یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کا توسل جائز ہے اسی طرح غیر الانبیاء کا توسل بھی جائز ہے۔

2: یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں، ایک بذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری توسل باہل قرابت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

3: یہ بتانا مقصود تھا کہ غیر انبیاء علیہم السلام کا توسل بھی رحمت و برکت کا باعث ہے۔

4: انسانی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ محسوس، موجود اور مبصر پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے۔ جیسے اگر کوئی آدمی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جا رہا ہو تو اس کو سلام پہنچانے کا واسطہ بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ سلام تو فرشتے بھی پہنچاتے جن کی رفتار بھی تیز ہے اور سلام پہنچانا بھی یقینی ہے۔ اسی لیے بتقاضائے انسانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا توسل لیا۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ ”وسیلہ بالاحیاء تو جائز ہے، وسیلہ بالاموات جائز نہیں“ بلا دلیل و حجت ہے۔ اس لیے کہ:

1: یہ دعویٰ نہ دلالت النص سے ثابت ہے، نہ عبارت النص سے، نہ اشارۃ النص ہے نہ اقتضاء النص سے۔

2: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل لینے میں تو توسل بالاموات کا اثبات ہوتا ہے کہ نہ انکار۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ”اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبیئنا فتسقینا“ اور یہ ضابطہ ہے کہ صحابی کے اس قول ”کنا نفعل کذا“ (ہم ایسا کیا کرتے تھے) کا مطلب یہ کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس قول کے وقت تک ہمارا یہی عمل ہے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اس وقت تک (یعنی قحط والے سال تک) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ دیتے آئے ہیں۔ اب اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد والی زندگی دونوں کا زمانہ شامل ہے۔ لہذا اس سے تو توسل بالاحیاء بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔

3: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ تھے ”وانا نتوسل الیک بعم نبینا“ یہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جو نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یعنی ”عم“ (چچا) والی نسبت کو ذکر کیا ہے پھر وسیلہ مانگا ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ نہیں بلکہ اس عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ مانگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات درمیان میں آتی ہے۔

### فائدہ:

یہ جو بات اور موقف حضرات اکابر کی عبارات اور تصریحات سے واضح ہوتا ہے جنہوں نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے، ذیل میں ان متدین حضرات پیش خدمت ہیں:

### متدین:

1: حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 852ھ) نے فتح الباری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرى للعباس ما يرى الولد للوالد فاقتنوا أيها الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم في عمه العباس واتخذوه وسيلة إلى الله وفيه فما برحوا حتى سقاهم الله

(فتح الباری: ج 2 ص 641 باب سوال الناس الامام الاستفتاء اذا تحطوا)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ایسا تھا جیسا اولاد کی نظر میں والد ہوتا ہے، اس لیے اے لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرو اور

ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔“ ابھی دعا مانگ رہے ہوتے کہ دعا کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1362ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

”ف: مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے، تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے بلا دلیل ہے۔ اول تو آپ نبص حدیث قبر میں زندہ ہیں، دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا؟

(الکشف: ص 675 بعنوان: غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے)

3: شیخ الاسلام شیخ زاہد بن حسن الکوثری رحمہ اللہ (ت 1371ھ) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان قول الصحابی: ((كنا نفعَل كذا)) يَنْصَبُ عَلَى مَا قَبْلَ زَمَنِ الْقَوْلِ فَيَكُونُ الْمَعْنَى اِنْ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَانُوا يَتَوَسَّلُونَ بِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ وَ بَعْدَ لِحَوْقِهِ بِالرَّفِيقِ الْاَعْلَى اِلَى عَامِ الرَّمَادِ وَ قَصْرَ ذَلِكَ عَلَى مَا قَبْلَ وَفَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَقْصِيرٌ عَنِ هَوَى وَ تَحْرِيفٌ لِلنَّصِّ وَ تَاوِيلٌ بِدُونِ دَلِيلٍ

(مقالات الکوثری: ص 287)

ترجمہ: صحابی کے اس قول کا کہ ((کنا نفعَل کذا)) ہم ایسا کیا کرتے تھے [مطلب یہ ہے کہ یہ فعل اس قول کے وقت سے پہلے والے زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول ((إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ)) کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل آپ علیہ السلام کی حیات میں اور آپ علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کے پاس جانے کے بعد سے لے کر قحط والے سال تک کرتے رہے ہیں۔ اس توسل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل والے زمانے (یعنی صرف حیاتِ دنیوی جو وفات سے پہلے وہ زمانہ ہے) کے ساتھ خاص کرنا خواہشات کی پیروی، نصوص میں تحریف اور بلادلیل تاویل کرنے کے مترادف ہے۔

4: شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ کا بعد وصال نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم القیامہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استفتاء میں توسل کرنا ہرگز اس امر پر دال نہیں کہ بعد وصال کے حضور سے توسل فی الدعاء ممنوع ہو گیا تھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو دلالت النص و عبارت النص یا اشارۃ النص و اقتضاء النص کے طریق سے کسی طریقہ سے ثابت کرے کہ یہ حدیث اس امر پر کیونکر دال ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس واقعہ میں بھی توسل بسید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تھا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ((اللَّهُمَّ إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ وَصِنُو آيِنِي)) یہاں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت کے لئے آگے کیا تھا۔

(امداد الاحکام: ج 1 ص 133)

5: فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1422ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بعض حضرات نے جواز توسل کی تخصیص بالاحیاء کا دعویٰ کیا ہے جو صحیح نہیں، جب توسل ثابت ہو گیا تو احیاء و اموات میں ما بہ الفرق کیا ہے؟ اگر کچھ فرق تسلیم کر لیا جائے تو مسئلہ برعکس ہونا چاہیے کیونکہ زندہ انسان تغیر احوال سے مامون نہیں، اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ کسی کی اقتداء کرنا چاہو تو میت کی اقتداء کرو:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من كان مستنًا فليستن بمن قد مات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنۃ الحدیث رواہ رزین (مشکوٰۃ: ص 32)

پس جب باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توسل بالحق کا استحباب ثابت ہو تو توسل بالمیت بطریق اولیٰ مستحب ہو گا۔ علاوہ ازیں دلیل اول، ثالث اور رابع توسل بالمیت کے باب میں صریح ہیں۔

باقی رہا یہ اشکال کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں توسل کیا؟ سو اس کی چند توجیہات ہو سکتی ہیں:

- ۱: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔
- ۲: اس پر تنبیہ مقصود تھی کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں؛ ایک توسل بذاتہ دوسری توسل باہل قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
- ۳: یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعث برکت و جالب رحمت ہے۔
- ۴: طبع انسانی اپنے اندر موجود محسوس مبصر شخص پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنے اور دعا کی درخواست پہنچانے میں انسانی وسائط کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ ملائکہ کا واسطہ انتہائی سریع ہونے کے ساتھ انتہائی قوی بھی ہے، نہ ادائے امانت میں غفلت کا خطرہ، نہ نسیان کا اندیشہ۔

(احسن الفتاویٰ: ج 1 ص 334، 335)

### حدیث نمبر 2:

عن عثمان بن حُنَيْفٍ : أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله لي أن يعافيني . فقال ( إن شئت أخرجت لك وهو خير . وإن شئت دعوت ) فقال ادعه . فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه . ويصلي ركعتين . ويدعو بهذا الدعاء ( اللهم اني أسألك وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة . يا محمد اني قد توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى . اللهم شفِّعه في )

(سنن ابن ماجہ: ص 99 باب صلوة الحاجہ، مسند احمد بن حنبل: ج 13 ص 315 رقم الحدیث 17175، المعجم الصغير للطبرانی: ص 183 من اسمه طاهر، التاريخ

الکبیر للبخاری: ج 6 ص 56 رقم الترجمة 2191)

ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اللہ سے میرے لئے عافیت اور تندرستی کی دعا مانگیے۔ آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو آخرت کے لئے دعا مانگوں، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور چاہو تو (ابھی) دعا کروں؟ اس نے عرض کیا: دعا فرمادیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا مانگو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِنَقْضِ اللَّهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

[اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے، اے

محمد! میں نے آپ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف توجہ کی اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش میرے بارے میں قبول فرمالیجئے۔]

## تصحیح حدیث:

(1) امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (ت 273ھ) نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا:  
قال أبو إسحاق هذا حديث صحيح

(سنن ابن ماجہ: ص 99 باب صلوة الحاجۃ)

ترجمہ: ابو اسحاق نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(2) امام ابو عیسیٰ ترمذی (ت 279ھ) فرماتے ہیں:  
هذا حديث حسن صحيح

(سنن الترمذی: ج 2 ص 198، ابواب الدعوات)

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(3) امام ابو عبد اللہ الحاکم (ت 405ھ) اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:  
هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه

(المستدرک للحاکم: ج 1 ص 621 دعاء رد البصر رقم الحدیث 1221)

ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو تخریج نہیں کیا۔

(4) ناصر الدین البانی غیر مقلد (ت 1420ھ) اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

صحيح. (جامع الترمذی باحکام الالبانی: رقم الحدیث 3578)

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(5) مولانا حبیب الرحمن الاعظمی اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

اسناده صحيح. (صحيح ابن خزيمة: ج 2 ص 225 باب صلاة الترغيب والترهيب)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

## مستدللین:

1: قاضی محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ شوکانی (ت 1250ھ) لکھتے ہیں:

وفي الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله عز وجل مع اعتقاد أن الفاعل هو الله سبحانه وتعالى

(تحفة الزاكرين: ص 208)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل پکڑنا جائز ہے، لیکن اعتقاد یہ ہو کہ فاعل (و مختار) ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1362ھ) یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”اس سے توسل صراحتاً ثابت ہو اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جس

طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعائیں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔“ (نشر الطیب: ص 240 اڑتیسویں فصل)

3: مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (ت 1372ھ) توسل کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اللهم انى اتوجه اليك بنبيك نبي الرحمة [الخ] حديث في موجود، مذکور ہے جو جواز کے لئے دلیل ہے۔

(کفایت المفتی: ج 2 ص 85)

### اعتراض:

اس روایت کی سند میں راوی ”ابو جعفر“ سے مراد ”ابو جعفر عبد اللہ بن مسور المدائنی“ ہے جو ضعیف بلکہ وضاع ہے۔

### جواب نمبر 1:

یہاں ابو جعفر سے مراد ”ابو جعفر عمیر بن یزید الانصاری الخطمی المدنی“ ہے۔

1: امام ابو بکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی (ت 364ھ) نے یہی حدیث نقل کی جس میں ”الخطمی“ کی صراحت ہے:

عن أبي جعفر المدني وهو الخطمي. (عمل اليوم والليلة: رقم الحديث 627)

2: مسند احمد کے بھی ایک طریق میں ”الخطمی“ کی صراحت ہے:

حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْخَطْمِيُّ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ حُرَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ بَصْرُهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

(مسند احمد: رقم الحديث 17242)

3: أخبرنا حمزة بن العباس العقبي ببغداد ثنا العباس بن محمد الدوري ثنا عون بن عمارة البصري ثنا روح بن القاسم عن أبي جعفر الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف رضي الله عنه أن رجلا ضرير البصر [الحديث]

(المستدرک للحاکم: ج 2 ص 213 رقم 1972)

4: أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وجاءه رجل ضرير فشكا إليه ذهاب بصره [الحديث]

(المستدرک للحاکم: ج 2 ص 213 رقم 1973)

5: عن روح بن القاسم عن أبي جعفر الخطمي المدني [الحديث]

(المعجم الصغير للطبرانی: رقم الحديث 508)

6: امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ترمذی مطبوعہ مصر میں ”وہو الخطمی“ کے الفاظ ہیں اور ہندی نسخہ میں غالباً کتابت کی غلطی کیوجہ سے لفظ ”غیر“ زائد ہو گیا۔

(تسکین الصدور: ص 432)

چنانچہ المکتبۃ الشاملۃ میں موجود ترمذی کے نسخہ میں ”وہو الخطمی“ کی صراحت ہے۔

(جامع الترمذی: رقم 3578 المکتبۃ الشاملۃ)

7: وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حديث أبي جعفر وهو غير الخطمي هكذا وقع في الترمذي وسائر العلماء قالوا هو أبو جعفر الخطمي وهو الصواب.  
(القاعدة الجليلي في التوسل والوسيلة لابن تيمية: ج 2 ص 202)

جواب نمبر 2:

اس روایت کی اسناد درج ذیل ہیں:

سند نمبر 1:

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا عثمان بن عمر حدثنا شعبة عن أبي جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف  
(جامع الترمذي: رقم 3578)

سند نمبر 2:

حدثنا محمد بن بشار و أبو موسى قالا حدثنا عثمان بن عمر نا شعبة عن أبي جعفر المدني قال سمعت عمارة بن خزيمة يحدث عن عثمان بن حنيف.  
(صحیح ابن خزیمہ: رقم 1219)

سند نمبر 3:

حَدَّثَنَا رَوْحُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدِينِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ  
(مسند احمد: رقم الحديث 17242)

سند نمبر 4:

أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف  
(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج 2 ص 213 رقم 1973)

سند نمبر 5:

أخبرني زكريا بن يحيى قال حدثنا محمد بن المثنى قال حدثنا معاذ بن هشام قال حدثني أبي عن أبي جعفر عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه  
(السنن الكبرى للنسائي: ج 6 ص 169 رقم 10420)

سند نمبر 6:

أخبرنا محمد بن معمر قال حدثنا حبان قال حدثنا حماد قال أخبرنا جعفر [والصوب ابو جعفر] عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف  
(السنن الكبرى للنسائي: ج 6 ص 168 رقم 10419)

الحاصل ان روایات میں امام ابو جعفر الخطمی کے اساتذہ یہ ہیں:

1: عمارہ بن خزیمہ 2: ابوامامہ

اور شاگرد یہ ہیں:

1: شعبہ 2: روح بن قاسم 3: هشام 4: حماد بن سلمة

کتب اسماء الرجال میں ان حضرات کا شمار امام ابو جعفر المدنی الخطمی کے اساتذہ اور شاگردوں میں کیا گیا ہے نہ کہ ابو جعفر عبد اللہ بن مسور المدائنی کے اساتذہ و شاگردوں میں۔

عن ابی جعفر المدینی سمع عمارة بن خزیمة بن ثابت عن عثمان بن حنیف.

(التاریخ الکبیر للامام البخاری: ج 6 ص 210)

عن ابی جعفر یزید بن عمیر أو عمیر بن یزید عن ابی امامة بن سهل رضی اللہ عنہ عن عمہ.

(التاریخ الکبیر للامام البخاری ج 6 ص 210)

عن روح بن القاسم: عن ابی جعفر المدینی عن ابی امامة بن سهل بن حنیف: عن عمہ عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ

(التاریخ الکبیر للامام البخاری ج 6 ص 210)

أبو جعفر الخَطْمِي اسمه عمير بن يزيد--- يروى عن أبيه وسعيد بن المسيب روى عنه شعبة وحماد بن سلمة

(كتاب الثقات لابن حبان: رقم الترجمة 10028)

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب بن خماشة أبو جعفر الخَطْمِي بصرى ولجده صحبة روى عن ابيه عن جده وعن ابن المسيب ومحمد بن كعب وروى هو عن جده ايضاً روى عنه حماد بن سلمة سمعت ابى يقول ذلك قال أبو محمد وروى عنه شعبة بن الحجاج وهشام الدستوائى وروح بن القاسم

(الجرح والتعديل للرازي: ج 6 ص 379 رقم الترجمة 2099)

أبو جعفر الخَطْمِي واسمه عمير بن يزيد --- وروى عنه شعبة وحماد ابن سلمة ويحيى بن سعيد القطان

(الطبقات الكبرى لابن سعد: ج 1 ص 347 رقم الترجمة 257)

عمير بن يزيد أبو جعفر الخَطْمِي عن بن المسيب وأبي امامة بن سهل وعنه شعبة والقطان وعدة ثقة

(الكاشف للامام ذهبى ج 2 ص 98 رقم الترجمة 4290)

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب بن خماشة ويقال ابن حباشة الانصاري أبو جعفر الخَطْمِي المدني --- روى عن ابيه وخاله عبدالرحمن بن عقبة وأبي امامة بن سهل بن حنيف وسعيد ابن المسيب ومحمد بن كعب القرظي وعمارَة بن خزيمَة بن ثابت والحارث بن فضيل الخَطْمِي وعمارَة بن عثمان بن حبيب. وعنه هشام الدستوائى وعدي بن الفضل وشعبة وروح ابن القاسم وحماد بن سلمة ويوسف السمطي ويحيى القطان.

(تهذيب التهذيب: ج 5 ص 139 رقم الترجمة 2168)

جواب نمبر 3:

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ورمزت على اسم الرجل من أخرج له في كتابه من الائمة السنة: البخاري، [خ] ومسلم [م]،

وَأَبِي دَاوُدَ، [د] وَالنَّسَائِيَّ، [س] وَالتِّرْمِذِيَّ، [ت] وَابْنَ مَاجَةَ [ق] بِرْمُوزِهِمُ السَّائِرَةَ.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج 1 ص 46 مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: ہر راوی کے نام کے ساتھ میں نے وہ علامت لگائی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ صحاح ستہ میں سے کس کس محدث نے ان سے روایت لی ہے یعنی امام بخاری (کے لیے علامت ”خ“، امام مسلم (کے لیے علامت ”م“، امام ابوداؤد (کے لیے علامت ”د“، امام ترمذی (کے لیے علامت ”ت“، امام ابن ماجہ (کے لیے علامت ”ق“).

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ ہماری پیش کردہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ کی ہے جن کی علامت بالترتیب ”ت“ اور ”ق“ ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ”ابو جعفر المدائنی“ کے حالات ذکر کئے ہیں (تحت الرقم: 461) اور اس پر جرح بھی نقل کی ہے لیکن اس کے ساتھ علامت ”ت“ اور ”ق“ نہیں لگائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری روایت کاراوی ابو جعفر المدائنی نہیں جو کہ ضعیف و مجروح ہے بلکہ یہ ابو جعفر عمیر بن یزید الخَطْمِيّ ہے جو کہ ثقہ ہے۔ اس کی ثقاہت درج ذیل ہے:

قال ابن معين والنسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات وقال عبدالرحمن بن مهدي: كان أبو جعفر وأبوه وجده قوما يتوارثون الصدق بعضهم عن بعض.

قلت [ابن حجر]: وقال أبو الحسن ابن المديني: هو مدني قدم البصرة وليس لاهل المدينة عنه اثر ولا يعرفونه ووثقه ابن نمير والعجلي فيما نقله ابن خلفون وقال الطبراني في الاوسط: ثقة.

(تہذیب التہذیب: ج 5 ص 139 رقم الترجمة 2168)

عمیر بن یزید بن عمیر بن حبیب الأنصاري أبو جعفر الخَطْمِيّ بفتح المعجمة وسكون الطاء المدني نزيل البصرة صدوق من السادسة.

(تقریب التہذیب: ج 1 ص 432 رقم الترجمة 5190)

### حدیث نمبر 3:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی وفات ہوئی، ان کی قبر کھودی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے، اپنے ہاتھ سے قبر کی مٹی نکالی۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعا کی:

اللّٰهُ الَّذِي يَحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ اغْفِرْ لِأُمِّي فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

(المعجم الكبير للطبراني: ج 10، ص 337 رقم الحديث 20324)

ترجمہ: اللہ کی ذات وہ ہے جو زندہ بھی کرتی ہے اور مارتی بھی ہے، وہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی، اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، اس کو اس کی حجت (دلیل) سکھا دے (تاکہ وہ فرشتوں کو جواب دے سکے) اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے اس حق کے وسیلے سے جو تیرے نبی کا (یعنی میرا) تجھ پر ہے اور جو ان انبیاء علیہم السلام کا ہے جو مجھ سے پہلے ہیں۔

### تصحیح الحدیث:

امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہے۔ امام ابن حبان اور امام حاکم

رحمہما اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مقالات کوثری: ص 380)

استدلال:

شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (ت 1371ھ) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:  
و فیہ التوسل بذوات الانبیاء الذین انتقلوا الی الدار الآخرة

(مقالات کوثری: ص 380)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا توسل جائز ہے۔  
وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس میں "والأنبیاء الذین من قبلی" [وہ انبیاء جو مجھ سے پہلے ہیں] کے الفاظ ہیں جو مذکورہ توسل پر واضح  
دلیل ہیں۔

حدیث نمبر 4:

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی (ت 405ھ) نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لما اقترب آدم الخطیئة قال یا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لی فقال الله : یا آدم و کیف  
عرفت محمدا و لم أخلقہ ؟ قال : یا رب لأنک لما خلقتنی ببیک و نفخت فی من روحک و رفعت  
رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله فعلمت أنك لم تضيف إلی اسمک  
إلا أحب الخلق فقال الله : صدقت یا آدم إنه لأحب الخلق إلیّ أدعنی بحقه فقد غفرت لك و لولا محمد  
ما خلقتک

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج 3 ص 517 باب استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم، المعجم الصغیر للطبرانی: ص 82، ص 83)

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہم السلام سے خطا صادر ہو گئی (یعنی وہ امر صادر ہو گیا جسے اس حدیث میں خطا سے تعبیر کیا گیا ہے) تو آپ  
نے عرض کی: اے رب! میں تجھ سے حق محمدی کے وسیلہ سے اپنی بخشش مانگتا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی  
اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا؟ جب کہ میں نے انہیں ابھی پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کیا: اے رب! یہ اس لئے کہ جب تو نے مجھے اپنے دست  
قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی جانب سے روح مبارک کو مجھ میں ڈالا، میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر ((لا الہ الا  
الله محمد رسول الله)) لکھا ہوا دیکھا، تب میں نے جان لیا کہ تو اپنے پاک نام کے ساتھ کسی کے نام کا اضافہ نہیں فرماتا مگر اس ذات  
گرامی کے نام نامی کا اضافہ فرماتا ہے جو مخلوقات میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ  
کہا، بے شک وہ مخلوقات میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اسی کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کیجیے۔ میں نے تجھے بخش دیا ہے اور اگر محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔

تصحیح حدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل محققین و محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔

1: امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی (ت 405ھ) فرماتے ہیں:

هذا حدیث صحیح الإسناد.

(مستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج 3 ص 517 کتاب التاریخ)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

2: امام تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی الشافعی (ت 756ھ) امام حاکم کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:  
قد اعتمدنا فی تصحیحہ علی الحاکم.

(شفاء السقام فی زیارة خیر الانام: ص 361)

ترجمہ: ہم اس روایت کے بارے میں امام حاکم کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہیں۔

3: شہاب الدین ابو العباس امام احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القطلانی المصری (ت 923ھ) لکھتے ہیں:

وصح أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال لما اقتترف آدم الخطيئة .

(المواهب اللدنية: ج 3 ص 418 الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی الخ

4: شیخ احمد بن زینی دحلان الحسینی (ت 1304ھ) لکھتے ہیں:

اسنادہ صحیح. (الدرر السنیة: ص 10)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

5، 6: محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (ت 1396ھ) فرماتے ہیں:

حدیث توسل آدم علیہ السلام بسیدنا النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سند سے ثابت ہے جو مرفوع ہے۔ (امداد الاحکام: ج 1 ص 133)

واضح رہے کہ امداد الاحکام کی تالیف حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) کی زیر نگرانی ہوئی ہے، اس لیے یہاں حضرت تھانوی کو بھی مصححین میں شمار کیا گیا ہے۔

اس سے توسل بالذات کا ثبوت ہوا۔ واللہ الحمد

حدیث نمبر 5:

امام ابو عبد اللہ محمد ابن سعد البصری (ت 230ھ) نے روایت نقل کی ہے:

عن سليم بن عامر الخبائري أن السماء قحطت فخرج معاوية بن أبي سفيان وأهل دمشق يستسقون فلما قعد معاوية على المنبر قال أين يزيد بن الأسود الجرشي قال فناداه الناس فأقبل يتخطى فأمره معاوية فصعد المنبر فقع عند رجليه فقال معاوية اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشي يا يزيد ارفع يديك إلى الله فرفع يزيد يديه ورفع الناس أيديهم فما كان أوشك أن تارت سحابة في المغرب وهبت لها ريح فسقينا حتى كاد الناس لا يصلون إلى منازلهم

(طبقات ابن سعد: ج 7 ص 444 تحت: مائة رجل وسبعة نفر)

ترجمہ: سلیم بن عامر الخبائری سے روایت ہے کہ آسمان سے پانی برسنابند ہو گیا، تو حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما اور اہل دمشق بارش کی دعا کرنے نکلے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تو فرمایا: یزید بن اسود رضی اللہ عنہ جرش کی کہاں ہیں؟ راوی کہتے ہیں:

لوگوں نے انہیں پکارا، تو وہ آگے بڑھتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم فرمایا تو وہ منبر پر چڑھے اور نیچے

کی طرف بیٹھے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت

طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشی کی ذات کو پیش کرتے ہیں، اے یزید! آپ اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ

کی جانب اٹھائیں، حضرت یزید بن اسود نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔ جلد ہی مغرب کی جانب ایک بادل

اٹھا اور اسے ہوالے (کر ہماری جانب) اڑی، تب (بارش ہوئی اور) ہم لوگ ایسے سیراب ہوئے کہ لوگوں کا اپنے مکانوں تک پہنچنا تقریباً دشوار ہو گیا۔

مستدللین:

- (1) امام ابوالسحق ابراہیم بن علی (ت 476ھ) نے اس روایت کو ”المہذب“ کے ”باب الاستسقاء“ میں روایت کر کے استدلال کیا ہے۔  
(المہذب مع شرحہ المجموع: ج 6 ص 100)
- (2) علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ (ت 676ھ) نے اس واقعہ کو ثابت اور مشہور مانتے ہوئے امام ابوالسحاق ابراہیم بن علی کی تائید کی ہے۔

(المجموع شرح المہذب: ج 6 ص 101)

مذکورہ احادیث و آثار سے واضح ہوا کہ ذوات سے توسل کرنا جائز ہے۔

حدیث نمبر 6:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (ت 360ھ) نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف : أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته فلقى عثمان بن حنيف فشكا ذلك إليه فقال له عثمان بن حنيف أنت الميضاة فتوضأ ثم أتت المسجد فصلي فيه ركعتين ثم قل اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه و سلم نبي الرحمة  
(المعجم الصغير للطبراني: ص 183 من اسمه طاهر)

ترجمہ: ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کے سلسلے میں آیا جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (غالباً کسی مصروفیت کی وجہ سے) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت براری کرتے۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اس بات کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر، پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ: اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه و سلم نبي الرحمة [اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بوسیله محمد صلی اللہ علیہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو نبی الرحمتہ ہیں]

اس روایت کے آخر میں تصریح ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا اور دعا کی برکت سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کر دیا۔

صحیح حدیث:

1: امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (ت 360ھ) فرماتے ہیں:  
و الحديث صحيح .

(المعجم الصغير للطبراني ج 1 ص 184)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

2: حافظ ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری رحمہ اللہ (ت 656ھ) بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

(الترغیب والترہیب: ج 1 ص 272 الترغیب فی صلاة الحاجة ودعاها)

3: علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی رحمہ اللہ (ت 974ھ) فرماتے ہیں:

رواہ الطبرانی بسند جید

(حاشیہ ابن حجر المکی علی الايضاح فی المناسک للتووی: ص 500)

ترجمہ: اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

فائدہ:

یہ واقعہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اس دور میں یہ دعا سکھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل سکھا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ توسل بعد الوفات بھی جائز ہے۔

بجز اللہ تعالیٰ ان دلائل سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی ذوات سے توسل کرنا ثابت ہو گیا۔ واللہ الحمد

توسل کا ثبوت اجماع سے:

اس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے توسل جائز ہے۔

دلیل نمبر 1:

جیسا کہ ما قبل میں گزرا کہ امام محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) رحمہ اللہ نے اپنی ”صحیح“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا فَحَطَّوْا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ  
اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَّوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْفِينَا وَإِنَّا نَتَّوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْتَقْنَا قَالَ فَيُسْفُونَ

(صحیح البخاری: ج 1 ص 137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا فحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیراب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے (یعنی بارش ہو جاتی)۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 852ھ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا ذکر کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

واتخذوه وسيلة إلى الله. (فتح الباری: ج 2 ص 641 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس قول و فعل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں کیا۔ گویا اس پر اجماع و اتفاق کر لیا۔

دلیل نمبر 2:

اسی طرح جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی موجودگی میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے ہوئے بارش کی دعا کی:

اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشى  
(طبقات ابن سعد: ج7 ص444 تحت: مائة رجل وسبعة نفر)

ترجمہ: اے اللہ! آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشى کی ذات کو پیش کرتے ہیں۔

حاضرین میں سے کسی ایک نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل مبارک پر انکار نہیں کیا۔ گویا ذوات سے توسل کرنے کے جائز ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا اجماع ہو گیا۔

دلیل نمبر 3:

علامہ محمد بن علی شوکانی (ت 1250ھ) نے اپنے رسالہ ”الدر النضید فی کلمۃ اخلاص التوحید“ میں تصریح کی ہے:

و ثبت التوسل بغيره بعد موته باجماع الصحابة اجماعاً سكوتياً. (ص 20)

کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے غیر کا توسل کرنا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

اقوال سلف اور مسئلہ توسل:

حضرات سلف صالحین مسئلہ توسل میں جواز کے قائل چلے آ رہے ہیں، ذیل میں ہم بعض حضرات کا کلام نقل کریں گے تاکہ معاندین و منکرین پر حجت پوری ہو جائے۔

خلیفۃ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ (ت 40ھ)

عن أنس قال: "جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم وشكا إليه قلة المطر وجدوبة السنة فقال: يا رسول الله لقد أتيناك وما لنا بغير نيط ولا صبي يصطبح، فمد رسول الله صلى الله عليه وسلم يده يدعو فما رد يده إلى نحره حتى استوت السماء بأرواقها وجاء أهل النبطاح يصبجون يا رسول الله الطرق، فقال: حوالينا ولا علينا، فانجلى السحاب حتى أحدق بالمدينة كالإكليل فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجزه وقال: "لله در أبي طالب لو كان حيا لقرت عيناه، من ينشدنا قوله،" فقام علي بن أبي طالب فقال: يا رسول الله لعلك أردت قوله:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ \*\*\*\* ثَمَالُ الْيَنَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

(کنز العمال: ج8 ص204 باب صلاة الاستسقاء رقم الحدیث 23544)

کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور بارش کی قلت اور خشک سالی کی شکایت کی اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی جانور نہیں رہا اور نہ کوئی آواز نکلنے والا بچہ رہا تو آپ نے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نیچے نہیں فرمائے تھے کہ بادل برسا اور کھل کر برسا۔ تو جن لوگوں کے گھر پانی میں ڈوب رہے تھے وہ آئے اور چیخ و پکار کرنے لگے اور عرض کی: یا رسول اللہ! آمد و رفت کے راستے ختم ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہم پر بارش نہ برسا قریب والوں پر برسا تو بادل کھلا اور مدینہ کو اس طرح گھیر لیا جس طرح بہت کھانے والا (کھانے کو گھیر لیتا ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے اور آپ نے فرمایا: ابو طالب کے کیا کہنے! اگر وہ آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوتیں، ہمیں ابو طالب کا شعر کون پڑھ کر سنائے گا؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ کی مراد ان کا یہ شعر ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ \*\*\*\* ثَمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

ترجمہ: آپ سفید (گندم گوں) ہیں، آپ کے چہرہ کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے، آپ یتیموں کے فریاد رس ہیں، آپ بیواؤں کے نگہبان ہیں۔

اسے سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میری مراد یہی تھی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (ت 58ھ)

عن ابی الجوزاء اوس بن عبد الله قال قحط اهل المدينة قحطا شديدا فشكوا الى عائشة فقالت: انظروا الى قبر النبي صلى الله عليه و سلم فاجعلوا منه كؤوا الى السماء حتى لا يكون بينه و بين السماء سقف قال: ففعلوا فمطرنا مطر احتى نبعث العُشب و سمنت الابل حتى تفتقت من الشحم فسمى عام الفئق۔

(سنن الدارمی: ج 1 ص 56 باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ، رقم الحدیث 92)

ترجمہ: حضرت ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے لوگ شدید قحط سالی میں مبتلا ہوئے۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں درخواست پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف دیکھو (یعنی آپ کی قبر پر جاؤ)، پھر آسمان کی طرف ایک روشد ان بناؤ کہ آپ کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، تب بارش سے سیراب ہوئے حتیٰ کہ سبز گھاس اگی، اونٹ اتنے موٹے ہوئے کہ گویا چربی سے پھٹے جا رہے ہوں۔ تو اس سال کو تنگی والا سال قرار دیا گیا۔

امام مالک بن انس المدنی رحمۃ اللہ علیہ (ت 179ھ)

ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا:

استقبل القبلة و ادعو ام استقبل رسول الله صلى الله عليه و سلم؟ فقال: و لم تصرف وجهك عنه و هو وسيلتك و وسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله يوم القيامة؟ بل استقبله و استشفع به فيشفعه الله. قال الله تعالى: و لو انهم اذ ظلموا انفسهم الاية (الشفاء: تعريف حقوق المصطفى: ج 2 ص 26 الباب الثالث في تعظيم امره و وجوب توقيره)

ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روز قیامت وسیلہ ہیں، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (ت 204ھ)

امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی (ت 463ھ) علی بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا کہ: اني لأتبرك بأبي حنيفة وأجىء إلى قبره في كل يوم يعني زائرا فإذا عرضت لي حاجة صلّيت ركعتين وجئت إلى قبره وسألت الله تعالى الحاجة عنده فما تبعد عني حتى تقضى. (تاريخ بغداد للخطيب: ج 1 ص 101 باب ما ذكر في مقابر بغداد الخ)

ترجمہ: میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے برکت حاصل کرتا ہوں ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد بہت جلد میری دعا پوری ہو جاتی ہے۔  
 علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی (ت 974ھ) ”الخیرات الحسان“ میں تحریر فرماتے ہیں:  
 واضح رہے کہ علماء اور اہل حاجات ہمیشہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کرتے اور اپنی حاجات براری میں ان کا وسیلہ پکڑتے رہے ہیں۔ ان علماء میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

(الخیرات الحسان: ص 129)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات اہل بیت نبوی سے توسل کرتے ہوئے یہ شعر فرمایا ہے، جسے علامہ ابن حجر الہیثمی نے نقل کیا ہے:  
 شعر

الذبی ذریعتی وہم، الیہ وسیلتی \*\*\* ارجو بہم اعطی غدا بید الیمین صحیفتی

(الصواعق المحرقة: ج 2 ص 524)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اللہ تعالیٰ کی جانب میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اور میں امید کرتا ہوں کہ ان ہستیوں کے وسیلہ سے کل (قیامت) کے دن اللہ تعالیٰ میرا صحیفہ مجھے دہننے ہاتھ میں دے گا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (ت 241ھ)

علامہ یوسف بن اسماعیل امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو وسیلہ بنایا تو ان کے بیٹے عبد اللہ کو تعجب ہوا، اس پر امام احمد بن حنبل نے فرمایا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے لیے آفتاب اور بدن کے لیے صحت کی مانند ہیں۔

(شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق: ص 166)

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (ت 279ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ذواتِ مسلمین سے توسل کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ سنن الترمذی کے ابواب الجہاد میں سے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِفْتَا حِ بِصَعَالِيكِ الْمُسْلِمِينَ. (سنن الترمذی: ج 1 ص 299 کتاب الجہاد)

کہ یہ فقراء مسلمین کے وسیلہ سے مدد طلب کرنے کے بارے میں آئی ہوئی روایات کا باب ہے۔

پھر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "ابْعُونِي ضِعْفًا كُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتَنْصَرُونَ بِضِعْفَانِكُمْ."

ترجمہ: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: مجھے اپنے ضعفاء میں ڈھونڈو کہ تم لوگوں کو اپنے ضعفاء ہی کی بدولت رزق دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔

امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 505ھ)

آپ نے احیاء علوم الدین کے ”مدینہ منورہ کی زیارت اور اس کے آداب“ کے باب میں فرمایا کہ زائر جب روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے تو دیگر دعاؤں کے ساتھ یہ کلمات بھی کہے:

اللهم إنا قد سمعنا قولك وأطعنا أمرك وقصدنا نبينا منتشفين به إليك في ذنوبنا

(احیاء علوم الدین: ج 1 ص 308)

ترجمہ۔ اے اللہ! ہم نے آپ کا فرمان سنا اور آپ کے حکم کو مانا اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے آپ کا قصد کیا۔

امام نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 676ھ)

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ويستحب إذا كان فيهم رجل مشهور بالصلاح أن يستسقوا به فيقولوا : " اللهم إنا نستسقي ونتشفع إليك بعبدك فلان ". روي في " صحيح البخاري " أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب . . . . . وجاء الاستسقاء بأهل الصلاح عن معاوية وغيره .

(کتاب الاذکار للنووی: ص 218 باب الاذکار فی الاستسقاء)

ترجمہ: یہ مستحب ہے کہ جب لوگوں میں کوئی آدمی پاکیزگی اور تقویٰ کے لحاظ سے مشہور ہو تو اس کے وسیلہ سے استسقاء کریں اور یوں کہیں:

اللهم إنا نستسقي ونتشفع إليك بعبدك فلان

کہ اے اللہ! ہم تیری جانب تیرے بندہ فلاں کے وسیلہ سے استسقاء کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کی درخواست کرتے ہیں۔

جیسا کہ صحیح البخاری میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء فرمایا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اہل خیر و پاکیزہ لوگوں کے وسیلہ سے استسقاء کرنا بھی آیا ہے۔

امام کمال الدین بن الہمام الخنفي رحمۃ اللہ علیہ (ت 861ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الخنفي المعروف ابن الہمام ”باب زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں فرماتے ہیں:

ثم يسأل النبي صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله أسألك الشفاعة يا رسول الله أسألك الشفاعة وأتوسل بك إلى الله في أن أموت مسلما عن ملتك وسنتك ..... ثم ينصرف متباكيا متحسرا على فراق الحضرة الشريفة النبوية والقرب منها

(فتح القدير: ج 3 ص 169 و ص 174 كتاب الحج، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي)

ترجمہ: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے اور یہ کہے: یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور آپ کی سنتوں پر عامل ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوں۔۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اقدس سے روتا ہوا اور جدائی کا غم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو۔

علامہ احمد بن محمد القطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 923ھ)

علامہ قطلانی شافعی رحمہ اللہ نے ”المواہب اللدنیۃ“ میں لکھا ہے کہ:

و ینبغی للزائر ان یکثر من الدعاء و التضرع و الاشتغاثۃ و التشفع و التوسل بہ صلی اللہ علیہ و سلم

(المواہب اللدنیۃ: ج 3 ص 417 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1176ھ)

اپنی مشہور زمانہ کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ و التوسل نبی اللہ لیستجاب

(حجۃ اللہ البالغہ ج 2 ص 6)

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدم کیا جائے تاکہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

المہند علی المفند کا حوالہ:

علماء دیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز ”المہند علی المفند“ میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السؤال الثالث والرابع: هل للرجل ان يتوسل في دعواته بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد الوفاة

ام لا؟ ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصدیقين والشهداء واولياء رب العالمين ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا ايجوز التوسل في الدعوات بالانبياء والصالحين من الاولياء

والشهداء والصدیقين في حياتهم وبعدهم بان يقول في دعائه اللهم اني اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتي وتقضى حاجتي الى غير ذلك

(المہند علی المفند: ص 36، 37)

ترجمہ: تیسرا اور چوتھا سوال: کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک

گزشتہ نیک ہستیوں یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی

اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعا کرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اور میری اس ضرورت کو پورا فرما۔

تنبیہ:

”المہند علی المفند“ کی اس دور کے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ و دیگر عرب ممالک کے علماء کے ساتھ ساتھ اکابرین دیوبند مثلاً حضرت شیخ الہند

مولانا محمود حسن، مولانا مفتی عزیز الرحمن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا محمد احمد قاسمی بن

حضرت نانوتوی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا عاشق الہی میرٹھی اور مولانا محمد یحییٰ سہارنپوری وغیرہ نے تائید و تصدیق فرمائی تھی۔  
گویا جوازِ توسل پر ان تمام حضرات اکابر و مشائخ کا اجماع و اتفاق ہے۔ واللہ الحمد

مسئلہ توسل اور غیر مقلدین:

غیر مقلدین حضرات میں سے بعض حضرات نے مسئلہ توسل کا انکار کیا ہے اور بعض اس کو ثابت مانتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے کچھ علماء کا ذکر کرتے ہیں جو توسل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانی (ت 1250ھ)

غیر مقلدین کے پیشوا قاضی محمد بن علی شوکانی نے اپنی کتاب ”تحفۃ الذاکرین“ میں لکھتے ہیں:

ويتوسل إلى الله سبحانه بأبيائه والصالحين أقول ومن التوسل بالأنبياء ما أخرجه الترمذي --- من حديث عثمان بن حنيف رضي الله عنه... وأما التوسل بالصالحين فمنه ما ثبت في الصحيح أن الصحابة استسقوا بالعباس رضي الله عنه عم رسول الله صلى الله عليه وسلم

(تحفۃ الذاکرین: ص 56)

ترجمہ: اللہ کی جانب اس کے انبیاء اور صالحین سے توسل کیا جائے گا، انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنے کے باب سے وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے۔۔۔ صالحین سے توسل کرنے کے باب سے صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ ”ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس بار بار جاتا تھا الخ“ کو ذکر کرنے کے بعد قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں:

وفي الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله عز وجل.

(تحفۃ الذاکرین: ص 208)

ترجمہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ عزوجل کی جانب توسل کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔

علامہ شوکانی نے اپنے رسالہ ”الدر النضید“ میں یہ بھی کہا ہے:

ان التوسل به صلى الله عليه وسلم يكون في حياته، و بعد موته، و في حضرته، و مغيبه

(الدر النضید: ص 19، ص 20)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل آپ کی حیات میں بھی ہوتا ہے، موت کے بعد بھی، آپ کے سامنے بھی، آپ کے پیچھے بھی۔

اس عبارت کو محمد عبد الرحمن مبارکپوری صاحب غیر مقلد نے ”تحفۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی“ (ج 4 ص 282) میں بھی نقل کیا ہے۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد (ت 1338ھ)

علامہ وحید الزمان اپنی کتاب ”ہدیۃ المہدی“ میں لکھتے ہیں:

وقال الشوكاني من اصحابنا: لا وجه لتخصيص جواز التوسل بالنبی كما زعمه الشيخ عز الدين بن عبد السلام والتوسل الى الله تعالى باهل الفضل والعلم هو في الحقيقة توسل باعمالهم الصالحة ومزاياهم الفاضلة، وقال في مقام آخر: لا باس بالتوسل بنبي من الانبياء او ولي من الاولياء او عالم من العلماء والذي جاء الى القبر زائراً او دعا الله وحده وتوسل بذلك الميت كان يقول: اللهم اني اسالك ان تشفيني من كذا و اتوسل اليك بهذا العبد الصالح، فهذا لا تردد في جوازه انتهى مختصراً.

(ہدیۃ المہدی: ص 48، 49)

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے قاضی شوکانی نے کہا ہے کہ ”توسل کے جواز کو نبی (علیہ السلام) کے ساتھ خاص قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ عز الدین بن عبد السلام نے گمان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب اہل فضل اور اہل علم کے ذریعے توسل کرنا درحقیقت ان کے اعمال صالحہ اور ان کے اوصاف فاضلہ سے توسل کرنا ہے۔“ قاضی شوکانی ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ ”انبیاء میں سے کسی نبی سے، اولیاء میں سے کسی ولی سے یا علماء میں سے کسی عالم سے توسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو بندہ قبر کے پاس آیا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس قبر والے سے اس طرح توسل کیا کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ فلاں مرض سے مجھے شفاء بخش اور اہل صالح بندہ سے تیری جانب توسل کرتا ہوں، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے“ انتہی مختصر۔

## منکرین توسل کے شبہات جائزہ

شعبہ نمبر 1:

قرآن کریم میں ہے کہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر دیگر چیزوں کی عبادت کرنے کی وجہ یہ بتاتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾

(سورۃ الزمر: 3)

ترجمہ: ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ کافروں کا بھی یہی طیرہ تھا اور متوسلین بالذات بھی بزرگوں کا توسل اسی لیے لیتے ہیں کہ اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کریں، تو پھر ان میں اور ان میں کیا فرق رہا؟

جواب:

اس آیت کریمہ میں ”نَعْبُدُهُمْ“ کی تصریح ہے اور غیر اللہ کی عبادت اور ان کو مصائب و حاجات میں براہ راست بلانے کا تذکرہ ہے جو شرکیہ عقائد کو متضمن ہے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے کام جو ان کے اختیار میں ہیں وہ خود کریں گے اور بڑے کام جو ان کے اختیار میں نہیں تو اس کے لیے ہمارے سفارشی بنیں گے اور وسیلے میں یہ باتیں نہیں ہوتیں بلکہ وسیلہ میں مشکل کشا، عالم الغیب، متصرف الامور اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جاتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کو قبولیت دعا میں محض واسطہ سمجھا جاتا ہے۔ وسیلہ کی حقیقت کو سمجھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے وسیلہ اور مشرکین کے طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ارشاد: توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ رحمت ہے المرء مع من احب میں، پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت و ثواب مانگتا ہے اور اولیاء اللہ کا موجب رحمت و ثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔ چنانچہ متحابین فی اللہ کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت: ج 21 ص 48)

لہذا اس میں اور مشرکین کے طرز عمل میں بہت بڑا فرق ہے۔ دونوں کو ایک سمجھنا کم علمی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے توسل کا انکار منقول ہے۔ درج ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:

(1) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَدْعُوَ اللَّهَ إِلَّا بِهِ وَالِدُعَاءِ الْمَادُونُ فِيهِ الْمَأْمُورُ بِهِ مَا اسْتُوْفِدَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ﴿﴾

(الدر المختار مع حاشية رد المحتار: ج 9 ص 653)

(2) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الدَّاعِي: "أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَبِحَقِّ النَّبِيِّ الْحَرَامِ وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ."

(شرح العقيدة الطحاوية: ص 234، واتحاف السادة المتقين: ج 2 ص 285، شرح الفقه الأكبر للفتاوى: ص 198)

جواب:

## پہلی عبارت کا مفہوم

در مختار کی اس عبارت کا سیاق و سباق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول عبارت کا توسل بالذات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس عبارت میں ایک اور مسئلہ ذکر کیا گیا ہے جسے سلفی حضرات نے خواجواہ توسل بالذات کے ناجائز ہونے کی دلیل بنا لیا۔ تفصیل یہ ہے کہ صاحب در مختار علامہ علاء الدین محمد بن علی الحسکفی (ت 1088ھ) نے ایک مسئلہ بیان کیا کہ اگر کوئی شخص ان الفاظ سے دعا کرے کہ:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے آپ کے عرش سے ملنے والے بندہ کے عزت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔

تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا ایسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا ممنوع ہے؟ تو صاحب در مختار نے دو قول ذکر کیے ہیں: ایک جواز کا اور دوسرا احتیاط کے پیش نظر منع کا اور راجح منع کے قول کو قرار دیا۔

**جواز کی وجہ** یہ ہے اس بارے میں ایک روایت منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ وَبِاسْمِكَ الْأَعْظَمِ وَجَدِّكَ الْأَعْلَى وَكَلِمَاتِكَ النَّامَةِ.

(رواہ البیہقی فی کتاب الدعوات. نصب الرایۃ للزیلعی: ج 4 ص 272)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے آپ کے عرش سے ملنے والے بندہ کے عزت، آپ کی کتاب کی حد درجہ رحمت، آپ کے اسم اعظم، اعلیٰ بزرگی اور کامل و اکمل کلمات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔

**منع کی وجہ** بیان کرتے ہوئے در مختار کے محشی علامہ ابن عابدین الشامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا كُرِهَ لِأَنَّهُ يُؤْهِمُ تَعَلُّقَ عِزِّهِ بِالْعَرْشِ وَالْعَرْشُ حَدِيثٌ، وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ يَكُونُ حَادِثًا ضَرُورَةً وَاللَّهُ تَعَالَى مُتَعَالٍ عَنِ تَعَلُّقِ عِزِّهِ بِالْحَادِثِ سُبْحَانَهُ، بَلْ عِزُّهُ قَدِيمٌ لِأَنَّهُ صِفَتُهُ، وَجَمِيعُ صِفَاتِهِ قَدِيمَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ لَمْ يَزَلْ مَوْصُوفًا بِهَا فِي الْأَرْزَلِ، وَلَا يَزَالُ فِي الْأَبَدِ.

(الدر المختار مع رد المحتار: ج 9 ص 651)

ترجمہ: "بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ" کے الفاظ سے دعا کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت و بزرگی کا تعلق عرش کے ساتھ ہے، عرش چونکہ حادث ہے اس لئے جس چیز کا عرش کے ساتھ تعلق ہو گا وہ بھی ضرور حادث ہوگی (لہذا اس سے

اللہ تعالیٰ کی عزت و بزرگی کا حادث ہونا لازم آئے گا) حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عزت و بزرگی کا تعلق حادث کے ساتھ نہیں ہے، اللہ کی بزرگی چونکہ صفت ہے اس لئے دیگر صفات کی طرح قدیم ہے اور ازل تا ابد اللہ تعالیٰ اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔

چونکہ ان الفاظ ”بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ“ سے عزت باری تعالیٰ میں حدوث کا شائبہ ہوتا ہے اور یہ اثر بھی غیر ثابت ہے اس لئے احتیاط کے پیش نظر ان الفاظ سے دعا کرنا منع ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

قَدْ عَرَفْتُ أَنَّ هَذَا الْأَثَرَ لَيْسَ بِثَابِتٍ، فَالْحَقُّ أَنَّ مِثْلَهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُطْلَقَ إِلَّا بِنَصِّ قَطْعِيٍّ أَوْ بِاجْتِمَاعِ قَوِيٍّ، وَكِلَاهُمَا مُنْتَفٍ فَالْوَجْهُ الْمَنْعُ.

(الدر المختار مع رد المحتار: ج 9 ص 653)

ترجمہ: یہ بات آپ جان چکے ہیں کہ یہ اثر ثابت نہیں ہے، اس لیے حق بات یہ ہے کہ اس طرح کے الفاظ اس وقت کہنے چاہئیں جب یہ نص قطعی یا قوی اجتماع سے ثابت ہوں اور یہاں یہ دونوں مفقود ہیں اس لئے کہنا منع ہے۔

بطور فائدہ یہ بات ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے ”بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ“ کے الفاظ سے دعا کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ”عز“ کو عرش کی صفت قرار دیا جائے۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا: ”اے اللہ! میں آپ سے آپ کے عرش کے بندہ ہائے عزت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔“ تو جس طرح عرش کو مجد و بزرگی کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے اسی طرح ”عز“ کے ساتھ متصف کرنا بھی جائز ہے۔ تو جو خدشہ یعنی باری تعالیٰ کی عزت کا حادث ہونا پہلی توجیہ میں لازم آ رہا تھا وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ جب عزت اور بزرگی عرش کی صفت بن رہی ہے تو اس کے حادث سے اللہ تعالیٰ کا حادث ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے ان الفاظ کا استعمال جائز ہے..... لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان الفاظ کو نہ ہی استعمال کیا جائے کیونکہ ”عز“ کا اولاً اطلاق جو ذہن میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عزت اور بزرگی ہے نہ کہ عرش کی عزت۔ مزید تفصیل رد المحتار ج 9 ص 652 میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تو علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ اس مسئلہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ دعائیں اللہ تعالیٰ کی وہ صفات اور اسماء ذکر کیے جائیں جن سے حدوث باری تعالیٰ کا شبہ نہ ہوتا ہو۔ اسی ضمن میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پیش کی ہے، چنانچہ فرمایا:

عَنْ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَدْعُوَ اللَّهَ إِلَّا بِهِ وَالدُّعَاءُ الْمَأْدُونُ فِيهِ الْمَأْمُورُ بِهِ مَا اسْتَفِيدَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۚ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ﴾

(الدر المختار مع حاشیہ رد المحتار: ج 9 ص 653)

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات (اسی طرح صفات و دیگر اسماء۔ رد المحتار) کے علاوہ کسی اور طرح سے پکارے۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے بارے میں جس مشروع طریقہ کا حکم دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: ﴿وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۚ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ﴾ (اسماء حسنی یعنی اچھے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، لہذا اس کو انہی ناموں سے پکارو! اور ان لوگوں کو چھوڑو جو اس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں)

زیر بحث مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ توسل بالذات کا انکار نہیں فرما رہے بلکہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہو تو اس کی ذات و صفات اور اسماء حسنہ کے ذریعے پکارا جائے، ایسے الفاظ سے نہ پکارا جائے جن سے اللہ تعالیٰ کے - معاذ اللہ - حادث کا شبہ ہوتا ہو۔ اس بات کی دلیل خود اسی عبارت میں موجود ہے کہ:

وَالدُّعَاءُ الْمَأْدُونُ فِيهِ الْمَأْمُورُ بِهِ مَا اسْتَفِيدَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾  
وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ﴾

(الدر المختار مع حاشیہ رد المحتار: ج 9 ص 653)

کہ دعا کا جو مشروع طریقہ شریعت میں بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اچھے اچھے ناموں کے ساتھ پکارو، اسماء الہیہ میں کج روی اور تحریف نہ کرو.... مثلاً اللہ تعالیٰ کو ”نور“ کے بجائے امیض (سفید) یا ”شانی“ کے بجائے طیب نہ کہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لئے استعمال نہ کرو مثلاً کسی انسان کو رحمن، رزاق، خالق، قدوس، غفار وغیرہ مت کہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات اور اسماء حسنیٰ کے ذریعے پکارا جائے، مہمل و غیر مناسب الفاظ سے نہ پکارا جائے اور نہ ہی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ناموں کو غیر اللہ کے لئے استعمال کر کے کج روی اور تحریف کا ارتکاب کیا جائے۔

تو کہاں عبارت کا یہ مفہوم اور کہاں مخالفین کا شبہ!

## دوسری عبارت کا مفہوم

پہلے یہ سمجھیں کہ معتزلہ وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری ہے کہ بندوں کی نیکیوں پر انہیں ثواب اور ان کے گناہوں پر عذاب دے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا تو معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا عدل باقی نہیں رہے گا۔ معاذ اللہ۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور فاعل مختار ہے، جو چاہے کر سکتا ہے، اس پر کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا۔ ملا علی قاری (ت 1014ھ) اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَلَا يَجِبُ عَلَى اللَّهِ شَيْءٌ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ." (مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المفاتیح: ج 1 ص 237 کتاب الایمان)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بخلاف معتزلہ کے کہ وہ وجوب کے قائل ہیں۔

ہاں اگر اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل و کرم اور ارادہ و اختیار سے جس حق کا وعدہ کیا ہے وہ بجا ہے، اس میں نہ تو کوئی کلام ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی جبر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ ۖ حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(سورۃ یونس: 103)

ترجمہ: پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچالیتے تھے (جس طرح ان مؤمنین کو ہم نے نجات دی تھی) ہم اسی طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ (حسب وعدہ) ہمارے ذمہ ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ الروم: 47)

ترجمہ: اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ حِينَ يُمَسِّي: رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُرْضِيَهُ."

(سنن الترمذی: ابواب الدعوات - باب الدعاء إذا أصبح واذأ مسی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شام کے وقت یہ دعا پڑھے: "رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا

وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا“ تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے (قیامت کے دن) راضی کرے۔

تو اگر کوئی شخص ”بحق فلان“ کہے اور اس کا عقیدہ صحیح ہو کہ حق سے وہ حق مراد ہے جو بحسب وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کسی کا عقیدہ غلط ہو اور وہ حق سے مراد یہ لے لے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری ہے تو اس لفظ کا استعمال یقیناً مکروہ ہوگا۔

اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الدَّاعِي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ.

(شرح العقيدة الطحاوية: ص 234، واتفق السادة المتقين: ج 2 ص 285، شرح الفقه الاكبر للقاری: ص 198)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: دعا کرنے والے کے لیے یہ کہنا مکروہ ہے کہ ”اے پروردگار! میں تجھ سے فلاں کے حق یا تیرے انبیاء و رسل علیہم السلام، بیت الحرام اور مزدلفہ کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔“

اس عبارت میں جہاں ”بحق فلان“ کو مکروہ لکھا ہے وہاں حق سے مراد ”حق و جوبی اور جبری“ جو خالصتاً معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ ہاں اگر حق سے مراد ”حق تفضلی“ ہو (جو اللہ تعالیٰ نے فضل و احسان کرتے ہوئے اپنے ذمہ لیا ہے) تو یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مکروہ نہیں۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارت اتحاق السادة المتقين لسید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف بمر تفضلی اور شرح الفقه الاکبر لملا علی القاری ہمیں ہے اس کے آگے یہ بات وضاحت و صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ عبارت یہ ہے:

اذ ليس لاحدٍ على الله حق... واما ما ورد من قول الداعی: "اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك وبحق ممشای الیک" فالمراد بالحق الحرمة او الحق الذى وعده بمقتضى الرحمة.

(اتفق السادة المتقين: ج 2 ص 285، شرح الفقه الاکبر: ص 387، 388)

ترجمہ: (بحق فلاں کہنا مکروہ ہے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا اور یہ جو حدیث میں دعا آئی ہے کہ ”اے پروردگار! میں تجھ سے ان لوگوں کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف اپنے چلنے کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں“ تو اس حق سے ”حرمت“ مراد ہے یا وہ حق مراد ہے جو ”بحسب رحمت“ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے طور پر اپنے ذمہ لیا ہے۔

نوٹ:

اوپر والی عبارت میں جس روایت (اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك وبحق ممشای الیک) کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ان کتب حدیث میں موجود ہے:

(۱): سنن ابن ماجہ: ص 57 ابواب المساجد والجماعات. باب المشی الی الصلاة

(۲): مسند احمد: ج 10 ص 68 رقم الحدیث 11099

(۳): مصنف ابن ابی شیبہ: ج 15 ص 107، 108 کتاب الدعاء، باب ما يدعو به الرجل اذا خرج من منزله

(۴): مسند ابن الجعد: ج 1 ص 299 رقم الحدیث 2031

(۵): عمل الیوم والليلة لابن السنی: ص 76 رقم الحدیث 85

شیخ محمد عوامہ الخفی حفظہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقد حسنَ الحديث جماعة من الأئمة: الحافظ عبد الغنى المقدسى، أدخله في جزئه "النصيحة في الأدعية الصحيحة" وأبو الحسن المقدسى شيخ المنذرى، نقل ذلك عنه في "الترغيب" ۲: ۴۵۸-۴۵۹ والدمياطى في "المتجر الرابع" (۱۳۲۵) ولفظه: حسن إن شاء الله، والعراقى في "تخريج الإحياء": ۱: ۳۲۳، وابن حجر في "نتائج الأفكار" ۱: ۲۷۲.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج 15 ص 107 تحت حدیث 29812)

ترجمہ: اس حدیث کو ائمہ کی ایک جماعت نے حسن قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ عبد الغنی مقدسی نے اپنے جزء "النصيحة في الأدعية الصحيحة" میں اسے ذکر کیا، علامہ منذری کے استاذ علامہ ابوالحسن المقدسی سے اس کی تصحیح "الترغيب والترهيب" میں منقول ہے، علامہ دمياطی نے "المتجر الرابع" میں ان الفاظ سے تحسین کی کہ "یہ حدیث ان شاء اللہ حسن درجہ کی ہے"، علامہ عراقی نے "تخريج الاحياء" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "نتائج الافكار" میں اس کی تحسین کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "بحق فلان" کہنا اس معنی میں مکروہ ہے جب حق سے مراد "حق و جوبی و جبری" ہو جو سراسر معتزلہ کا مسلک ہے، لیکن اگر حق بمعنی "حق تفضلی" اور "بحسب رحمت" ہو تو امام صاحب کے ہاں بھی جائز ہے جیسا کہ خود اسی عبارت میں حدیث مبارک کے حوالے سے یہ بات موجود ہے۔

شبه نمبر 3:

اللہ تعالیٰ کا دربار ہر وقت کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَابْتِئِنِّي قَرِيبًا ۗ ۱ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (سورة البقرة: 186)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (انہیں بتادیں کہ) میں قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کو سنتا ہوں۔

لیکن قائلین توسل براہ راست خدا سے عرض و معروض کرنے کے بجائے ان بزرگوں کے واسطوں اور وسیلوں کے قائل بنتے ہیں۔

جواب نمبر 1:

یہ سوال اس وقت ہو سکتا ہے جب غیر اللہ سے مانگا جائے اور وسیلہ میں غیر اللہ سے نہیں مانگا جاتا بلکہ انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے خدا مانگا جاتا ہے کیونکہ اس طرح دعا کی قبولیت میں اثر ہوتا ہے کہ وہ دعا جو وسیلہ سے مانگی جائے جلد قبول ہوتی ہے۔

جواب نمبر 2:

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ توسل بالذات کے بغیر دعا قبول ہی نہیں ہوتی بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ توسل کو دعا کے قبول

ہونے میں دخل ہے، جیسے زمان، مکان اور افراد کے بدلنے سے قبولیت دعا کی سرعت میں فرق آنا ظاہر ہے۔ مثلاً

﴿عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ: "جَوْفَ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَدُبْرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ."﴾

(سنن الترمذی: ج 2 ص 187 ابواب الدعوات، السنن الکبریٰ للنسائی ج 6 ص 32 ما يستحب من الدعاء و الصلوات المكتوبات)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی

ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخر میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

☀ بیت اللہ میں دعا کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے بنسبت عام مسجد اور اپنے گھر میں دعا کرنے سے۔

☀ بنی اور ولی دعا کرے تو اس کی قبولیت بنسبت عام آدمی کے زیادہ ہے۔

جواب نمبر 3:

اگر توسل بالذات شرک ہے، جائز نہیں کیونکہ اللہ کا دربار ہر وقت کھلا رہتا ہے کسی کے واسطے کی ضرورت نہیں تو پھر ہم قائلین توسل بالدعاء والاعمال سے پوچھتے ہیں کہ اس دلیل کی بناء پر توسل بالاعمال بھی ٹھیک نہ ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ کے دربار میں واسطہ جائز نہیں تو پھر اعمال پیش کرنے کی ضرورت کیا ہے؟! لہذا جس توسل بالاعمال جائز ہے اسی طرح توسل بالذات بھی جائز ہے۔